

اردو افسانے میں تقسیم ہند کا مذہبی، سیاسی اور سماجی منظر نامہ: منٹو کی افسانہ نگاری کا ایک مطالعہ  
 Religious, Political and Social Scenarios of Partition of India in  
 Urdu Fiction: A Study of *Manto's* Fiction

Syeda Humera Abid

Visiting Lecturer, Department of Urdu University of Mianwali

Sarwar Azeem

Incharge Department of Urdu, Thal University Bhakkar

Abstract

Sadat Hassan Manto is known as leading and renowned short story writer. He earned lot popularity through his unique writings and. He was badly criticized in the literary circles throughout his life but he depicted the real picture of the women of the society particularly, and done his job very successfully. In this article his ideas about the partition are highlighted as per his conviction towards Indo-Pak division in the history. It is proved in the article that he was justified his idea about humanity and social moral values of the society which was much more acknowledged after his death and he is known as worldwide famous writer in the history of literature. In this paper his valuable status is being described in the light of his writings.

**Key words:** Partition of India, Religious, Political and Social Scenario, Urdu Fiction, *Manto*

تقسیم ہند سیاسی و سماجی منظر نامہ

لفظ انقلاب کہنا بہت آسان ہے۔ لیکن دیکھنا اور انقلابی مراحل سے گزرنا بہت مشکل ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے تمام خون کی ندیاں اور انسانی سروں کے مینار لے کر آئے۔ بلکل یہی حال 1947ء کے انقلاب کا تھا اس انقلاب میں لاکھوں جانیں برباد ہوئیں اور لاکھوں عزتیں تار تار ہوئیں دل خون کے آنسو روتا ہے پھر بھی جگر تھام کر اگر ان داستانوں کو اکٹھا کیا جائے تو وہ داستانیں بھی لاکھوں ہی ہوں گی۔ 1947ء کے بعد ہندو مسلم فسادات کی آگ تیزی سے بھڑک اُٹھی تھی۔ لاہور اسمبلی کی سیڑھیوں پر تنگی تلوار پر لہرا کر ماسٹر تارا سنگھ نے یہ اعلان کر دیا کہ سکھ پاکستان کبھی بننے نہیں دیں گے مشرقی پاکستان کے گلی





ہندوستان میں بس رہے مسلمان اپنا گھر اپنی جائیدادیں یہاں تک کہ اپنے عزیز واقارب کو چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر رہے تھے، دوسری جانب پاکستانی خطے میں بس رہے ہندو اور سکھ جائے پناہ ڈھونڈنے کے لیے عجلت میں ہندوستان کا رخ کر رہے تھے۔ ایسے نازک حالات کا اثر انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں آئے نظم ہو یا نثر ناول ہو یا افسانہ تقسیم و فسادات سے اپنے پر خون داستانوں کو نہ صرف قلمبند کر رہے تھے بلکہ اپنی تحریروں سے ذہن سازی کا کام بھی کر رہے تھے۔ تقسیم ہند اور اس موقع پر لاکھوں انسانوں کی ہجرت ایک ایسا موضوع ہے۔ جس پر اردو ادب میں کئی ایسی تخلیقات سامنے آئیں جو اس دور کی سیاسی، معاشی اور سماجی تاریخ کے ساتھ اس وقت کے حالات کی لفظی جھلکیاں اور عکس ہیں۔ پاک و ہند کے ادیبوں نے تقسیم اور ہجرت کے موضوع پر کئی افسانے کہانیاں اور ناول لکھے اور یہ تخلیقات نہایت پر اثر اور دردناک ہیں۔

### تقسیم ہند اور اردو افسانہ

تقسیم جیسے المناک سانحہ کا اثر جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں نظر آیا۔ ادب کے میدان میں بھی اس کے گہرے اثرات نظر آئے نظم ہو یا نثر ناول ہو یا افسانہ تقسیم و فسادات پر لکھنے کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ ہمارے ادیبوں نے اپنے قلموں سے ان پر خون داستانوں کو قلمبند کیا۔ ان تحریروں کو پڑھنے کے بعد بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنفین نے انسانی المیوں کی چھین دل میں لیے جو ادب تخلیق کیا وہ بیش قیمت سرمائے سے کم نہیں۔ تقسیم ہند کے بعد افسانہ نگاری بھی قدرتی طور پر ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ اس تقسیم نے صرف ملک کو ہی نہیں افسانہ نگاروں کو بھی دو الگ الگ ممالک میں تقسیم کر دیا۔ فسادات کے موضوع پر بہت سے افسانے لکھے گئے جو بالعموم تین اقسام پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ جو اس خونی ڈرامے سے جنم لینے والی کہانیوں کو بنیاد بنا کر لکھے گئے۔ جس میں ظلم، بربریت، لوٹ مار اور جنسی استحصال کا ذکر ملتا ہے۔ یہ افسانے واقعاتی تھے جس میں افسانویت نہیں تھی اور جو سنسنی خیزی پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے۔ دوسری قسم کے افسانوں میں ہر دو جانب سے کیے گئے ظلم و ستم کی کہانیاں لکھی گئیں۔ یہ افسانے ادیبوں کی جانبداری کا پروپیگنڈا قرار دیے جاسکتے ہیں۔ "قدرت اللہ شہاب" کے افسانے اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں ان افسانوں میں ہجرت کے مظالم کی یکطرفہ کہانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ تیسری قسم ان افسانوں کی تھی جو وقتی اور حادثاتی ہونے کے باوجود نا صرف افسانوی تاثیر رکھتے ہیں بلکہ فکری گہرائی، انسانی نفسیات کی آگاہی اور زندگی کی پیچیدگیوں کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں میں سعادت حسن منٹو، حیات اللہ انصاری، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی، قراۃ العین حیدر، رام لعل شوکت صدیقی، ڈاکٹر انور سجاد، قدرت اللہ شہاب، انتظار حسین، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور اور بعض دیگر افسانہ نگاروں کے نام اہم ہیں۔

### تقسیم ہند منٹو کی نظر میں

برصغیر کی تقسیم سے متعلق سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بالخصوص ایسے افسانے جو پاک و ہند کی تقسیم کے تناظر میں لکھے گئے انہیں منٹو کے شاہکار افسانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ کا عجیب المیہ ہے کہ بعض ناقدین نے منٹو کی چند تحریروں کو فحش نگاری کے زمرے میں زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ امر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بے معنی ہوتا جا رہا ہے۔ لہذا منٹو کی افسانہ نگاری اپنے وسیع تر تناظر میں گہرے معاشرتی اور سماجی شعور کی حامل قرار پاتی ہے۔ جب کہ تقسیم ہند اور فسادات پر لکھے ہوئے افسانے اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تقسیم ہند کی ایک زندہ مثال سعادت حسن منٹو کے شاہکار افسانے ہیں۔ ان کے کئی افسانوں میں فسادات کا موضوع چھیڑا گیا ہے۔ اردو ادب میں اگر اس دور سے جڑے

انسانی المیوں کی حقیقی لفظی جھلکیاں کسی نے پیش کی ہیں۔ تو وہ سعادت حسن منٹو ہیں۔ سعادت حسن منٹو کا نام اس دور کے ادیبوں، افسانہ نگاروں میں سرفہرست ہے جنہوں نے وہ سب واقعات انسانیت کا وہ وحشی روپ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نہ صرف دیکھا بلکہ پوری شدت سے محسوس کیا اور اپنے قلم سے صفحہ قرطاس پر اتارا۔

منٹو کے افسانے انسانوں کی اس وحشت، بربریت اور مظالم کی داستانوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ منٹو نے انسان کو انسانیت کے درجے سے گرتے دیکھا محبت کو نفرت میں دوستی کو دشمنی میں بدلتے دیکھا، عزتوں کو پامال ہوتے اور گھروں کو خاکستر ہوتے دیکھا ہے۔ اور یہ سارا درد اس کے افسانوں سے چھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ منٹو نے تقسیم ہند اور فسادات کے موضوع پر اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اور مجموعی طور پر موثر افسانے لکھے۔ فسادات کے موضوع کے ساتھ خون آلود انسانیت کی جذباتی وابستگی بھی تھی۔ جس نے منٹو جیسے عظیم فنکار کے بھی بعض اوقات قدم ڈگمگادیے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کچھ ایسے افسانے بھی ہیں جو فن اور موضوع کے امتزاج کا دلکش نمونہ ہیں۔ اور ادب میں ان کا ایک اہم مقام ہے۔ نکت ریحانہ خان اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ: "سیاسی، معاشرتی، دینی، نفسیاتی اور اخلاقی مسائل کو پہلے مختلف زاویوں سے دیکھتے تب اسے افسانے کے فارم میں ڈھالتے" کہانی کار جس زمین پر بیٹھ کر لوگوں کو قصہ سناتا ہے اس کے لیے اچھے موسم کا خواب اور آرزو اس کی آنکھ اور دل میں ہوتی ہے مگر کوئی صرف مدہوش کرتا ہے اور کوئی جھنجھوڑتا ہے۔ کہ اچھی تعبیریں رت جگلوں کے عوض ملتی ہیں۔ اردو افسانے میں جب بھی حق، انصاف کی خاطر بے باکی اور مزاحمت، ریاکاری کے خلاف للکار انسانیت سے لگاؤ کے بلند آہنگ اقرار اور آزادی اظہار کا ذکر ہوتا ہے، سعادت حسن منٹو کا حوالہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بلکہ میں اگر کہوں کہ اردو افسانے کو منٹو نے ہی یہ لہجہ سکھایا تو یہ مبالغہ نہ ہو گا۔ سعادت حسن منٹو کے فکرو فن کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تخلیقی ارتقاء کی اہم منزلوں کو مد نظر رکھا جائے۔ منٹو نے اپنے تحقیقی سفر کا آغاز دہشت پسندی کا خواب دیکھنے والے ایک نیم پخت انقلابی کے طور پر کیا، باری الیک کی زیر ہدایت مہم جوئی کے منصوبے بنائے گئے۔ کمرے کو 'دارالاحمر' کا نام دے کر بگھت سنگھ کا مجسمہ ہی نہیں سجایا گیا بلکہ 'ولٹز ہیوگو' اور 'آسکر وائلڈ' کے تراجم کے حوالے سے سنسنی خیز اور جذباتی پوسٹر بھی خود لکھ کر امرت سرکی دیواروں پر لگائے گئے۔ یہ زمانہ برصغیر میں قوم پرستانہ جذبات کے عروج کا زمانہ ہے اور اسی آتش زماں میں منٹو کا پہلا افسانوی مجموعہ 'آتش پارے' منظر عام پر آتا ہے 'آتش پارے' کا عنوان ہی انقلابی رومانویت اور ہنگامی اشتعال کو ظاہر کرتا ہے۔ رہی سہی کسر یہ مختصر دیباچہ پوری کرتا ہے۔ "یہ افسانے دبی ہوئی چنگاریاں ہیں ان کو شعلوں میں تبدیل کرنا پڑھنے والوں کا کام ہے۔" جلیانوالہ باغ کا سانحہ (1919ء) جب رونما ہوا تو منٹو سات برس کا بچہ تھا مگر اس سانحے کی اثر آفرینی دیکھیے کہ منٹو کا پہلا افسانہ 'تماشا' ہی اس حادثے کے بارے میں ہے اور یہ عمل انتہائی معنی خیز ہے کہ منٹو نے اس افسانے کے مرکزی واقعے کو بچہ کے نظر سے دکھایا ہے۔ "اب، اسے یقین ہو گیا کہ فضا کا غیر معمولی سکون، طیاروں کی پرواز، بازاروں میں مسلح پولیس کا گشت، لوگوں کے چروں پر اداسی کا عالم اور خونی آندھیوں کی آمد کسی خوفناک حادثے کی پیش خیمہ تھیں۔" "اللہ میاں! میں دعا کرتا ہوں کہ تو اس ماسٹر کو جس نے اس لڑکے کو پیٹا ہے، اچھی طرح سزا دے اور اس چھڑی کو چھین لے جس کے استعمال سے خون نکل آتا ہے۔" "دیوانہ شاعر نسبتاً کمزور افسانہ ہے مگر اس میں جلیانوالہ باغ ہی کے سانحے پر زیادہ کھل کر باتیں کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ آئندہ لائحہ عمل بھی تجویز کیا گیا ہے۔ ایک آدھ جگہ افسوس بھی ہوتا ہے جب منٹو 'تماشا' میں لکھے ہوئے اس جملے کو اس افسانے میں بھی دہراتا ہے۔

"موت بھیانک ہے مگر ظالم اس سے کہیں خوفناک اور بھیانک ہے"<sup>6</sup>

افسانہ کے آغاز میں میکسم گورکی کا یہ قول دیا ہوا ہے:

"اگر مقدس حق، دنیا کی متجسس نگاہوں سے اوجھل کر دیا جائے تو رحمت ہو اس دیوانے پر جو انسانی دماغ پر سنہرا خواب طاری کر دے"<sup>7</sup> افسانے کی فضا میں شعریت گھلی ہوئی ہے اور ٹالسٹائی کی طرح خطابت بھی، مگر زمین وزماں جانے پہچانے اور مانوس ہیں۔ "آواز اس کنوئیں کے قریب سے بلند ہو رہی ہے جس میں آج سے کچھ سال پہلے لاشوں کا ایک انبار لگا ہوا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے دماغ میں جلیانوالہ باغ کے خون کی حادثے کی ایک تصویر کھچ گئی۔"<sup>8</sup> افسانے کا سب سے زیادہ جذباتی حصہ اس دیوانے شاعر کی تقریر کا ہے، جس میں نعرے کا ہیجانی خروش، افسانویت پر غالب آ گیا ہے۔ "انقلابی سماج کے قصاب خانے کی ایک بیمار اور فاقوں مری بھیڑ بہیں، وہ ایک مزدور ہے تو مند، جو اپنے آہنی ہتھوڑے کی ایک ضرب سے ہی ارضی جنت کے دروازے بند کر سکتا ہے۔ اس کی لہریں بڑھ رہی ہیں، کون ہے جو اب اس کو روک سکتا ہے۔ یہ بند باندھنے پر نہ رک سکیں گے۔"<sup>9</sup> منٹو کو غلامی سے نفرت تھی، غلام بنانے والوں اور کمتر سمجھنے والوں سے نفرت تھی اور اس لئے انگریزوں سے نفرت تھی اس کا تخلیقی اظہار تو پوری توانائی کے ساتھ 'نیا قانون' میں ہوا مگر 'آتش پارے' کی 'خونی تھوک' میں بھی استاد منگو کا سا شعلہ انتقام رقصاں ملتا ہے۔ متوسط طبقے کے دو نوجوان تعلق اور بے تعلقی کی ملی جلی فضا میں اسٹیشن پر غربت، بد حالی اور غلامی پر مکالمہ کر رہے ہیں کہ ایک انگریز صاحب نے ایک دیسی قلی کو ٹھوک مار کے گرا دیا۔ قلی نے اپنی جان کی قیمت دس روپے لگتے دیکھ کر صاحب کو اپنے قریب بلایا اور "منہ سے خون کے بلبلے نکالتے ہوئے کہا 'میرے پاس بھی کچھ ہے۔۔۔ یہ لو' یہ کہتے ہوئے اس نے مسافر کے منہ پر تھوک دیا۔ تڑپا اور پلیٹ فارم کی آہنی چھت کی طرف مظلوم نگاہوں سے دیکھتا ہوا خالد کی گود میں سر د ہو گیا"<sup>10</sup> یہ امر معنی خیز ہے کہ 'تماشا' کا مرکزی کردار یا ناظر بھی خالد ہے 'افسانے کے اختتام پر جذباتی مکالمے ادا کیے گئے ہیں۔ جب حج ملزم کو معمولی جرمانے کے بعد بری کر دیتا ہے مگر ان سے ایک استحصالی اور ریاکار نظام معاشرت و قانون کا نقشہ ضرور کھینچ جاتا ہے۔ "قانون کا قفل صرف طلائی چابی سے کھل سکتا ہے۔۔۔، مگر ایسی چابی ٹوٹ بھی جایا کرتی ہے"<sup>11</sup> انقلاب پسند 'آتش پارے' کا سب سے کمزور افسانہ ہے اس میں بے پناہ جذباتیت اور نیم رس خطابت ہے۔ البتہ طاقت کا امتحان، 'جی' آیا صاحب 'اور چوری موثر افسانے ہیں 'طاقت کا امتحان'، متوسط طبقے کی ایسی بے دردی کی کہانی ہے جو نچلے طبقے کی بھوک سے لطف لیتے لیتے ایک مزدور کو موت کی نیند سلا دیتی ہے، جب کہ 'جی' آیا صاحب 'ایک چھوٹے بچے قاسم کی دردناک کہانی ہے جس کا مالک بے رحم اور خود غرض ہے۔ ننھا قاسم اپنی انگلیوں کو زخمیوں کر کے عارضی طور پر کام سے بچنے کی سبیل پیدا کرتا ہے مگر بلاخر معذور ہو کر ہسپتال میں زندگی کی آخری سانسیں گننے لگتا ہے۔ (افسانوی مجموعے 'دھواں' میں اس افسانے کے عنوان میں ہی تبدیلی نہیں انجام کو بدل دیا گیا ہے مگر 'معذوری' وہاں بھی موجود ہے)۔ فنی اعتبار سے 'چوری' زیادہ پختہ افسانہ ہے۔ ایک بوڑھا بچوں کو اس لمحے روداد سناتا ہے۔ جب محرومی اور افلاس کے ساتھ ساتھ مطالعے کے شوق سے مجبور ہو کر اس نے کتاب چرائی تھی اور پکڑا گیا تھا۔ تاہم وہ بچوں سے بعد کی چوریوں کے بارے میں کہتا ہے۔ کہ ان پر اسے فخر ہے۔ "کیونکہ ہر وہ چیز جو تم سے چرائی گئی تمہیں حق حاصل ہے کہ اب اسے ہر ممکن طریقے سے اپنے قبضے میں لے آؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری یہ کوشش کامیاب ہونی چاہیے ورنہ ایسا کرتے ہوئے پکڑا جانا اور اذیتیں اٹھانا عبث ہے"<sup>12</sup> اگرچہ وارث علوی نے منٹو کا فن، حیات و موت کی آویزش میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ "ما تھی جلسہ واحد سیاسی کہانی ہے جو سلیقہ مندی سے لکھی گئی ہے"<sup>13</sup> تاہم 'نیا قانون'

اردو کے شاہکار افسانوں میں سے ہے۔ یہ افسانہ ۱۹۳۸ء کے 'ہمایوں' میں شائع ہوا اور اس میں برطانیہ کی ان آئینی مراعات پر زہر خند کی برق پاشی کی گئی ہے جو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت نوآبادی کی رعایا کو دی گئی تھیں۔ اس افسانے میں منٹو کے سیاسی، سماجی شعور میں نفسیاتی شعور اور فنی ریاضت و معروضیت گھل مل گئے ہیں۔ استاد منٹو عالمی ادب کے زندہ جاوید کرداروں میں سے ہے، وہ برصغیر کے معصوم انسانوں کا نمائندہ ہے جو غلامی اور استحصال سے نفرت تو کرتے ہیں مگر اس کے اظہار کے لیے مناسب توقع کی تلاش میں رہتے ہیں پھر ان کی خبر اور بے خبری سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا ہاں مگر ان کے خواب اور تعبیر میں بہت فاصلہ ہوتا ہے۔ "استاد منٹو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ اس کے ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں مگر اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتاب ہے۔" <sup>14</sup> منٹو نے فسادات کے امن سیاسی، جذباتی اور ذہنی دھچکوں کو فن کے ایک تجربے کی شکل میں اپنے افسانوی مجموعہ "سیاہ حاشیہ" میں پیش کیا ہے۔ اس میں قتل، عصمت دری، لوٹ مار، پولیس کی بد عنوانی جیسے موضوعات کو طنز و مزاح کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے انسان کی حیوانیت سامنے آجاتی ہے۔ تقسیم، مناسب کاروائی، کرامات، جیلی، تعاون، حلال اور جھٹکا، مزدوری، پٹھانستان، گھائے کا سودا، صفائی پسند، الہنا، ہمیشہ کی چھٹی، آرام کی ضرورت، ساعت شیریں وغیرہ اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ اس مجموعے میں تیس سے زائد کہانیاں شامل ہیں۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ انتہائی مختصر افسانچے ہیں۔ ان افسانچوں میں منٹو نے انسان کو یا تو ظالم دکھایا یا مظلوم۔ اس نے ظالموں کو داد دی ہے نہ مظلوموں سے ہمدردی کی ہے اس نے نیک بد کا فیصلہ اپنے قاری پر چھوڑا ہے ان کا افسانہ "ساعت شیریں" اس کی عمدہ مثال ہے۔ "اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مہاتما گاندھی کی موت پر اظہار مسرت کے لیے امرتسر، گوالیار اور بمبئی کئی جگہ لوگوں میں شیرینی بانٹی گئی" <sup>15</sup>

منٹو کے ان افسانچوں میں غصے، رحم یا نفرت کے جذبات نہیں ہیں۔ بلکہ اس نے زندگی میں حیرت و استعجاب کے پہلوؤں کو ابھارا ہے۔ وہ طنزیہ مسکراہٹ سے یہ بتاتا ہے کہ انسان میں بربریت پیدا ہو جانے پر بھی مکمل انسانیت ختم نہیں ہوتی۔ سیاہ حاشیہ ایسے افسانچوں کا مجموعہ ہے جو صرف فسادات پر لکھے گئے ہیں۔ ان افسانچوں میں فسادات کے دوران پیش آنے والے واقعات کو چین چن کر بھرپور طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ "الہنا" میں لکھتے ہیں:

"دیکھو یار تم نے بلیک مارکیٹ کے دام بھی لیے اور ایسا ردی پٹرول دیا کہ ایک دکان بھی نہ جلی" <sup>16</sup>

"آرام کی ضرورت" میں لکھتے ہیں:

"مرا نہیں۔۔۔۔۔ دیکھو

ابھی جان باقی ہے"

رہنے دو یار۔۔۔۔۔

میں تھک گیا ہوں۔" <sup>17</sup>

"سیاہ حاشیہ" کے یہ افسانے انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اپنے اند ایک مکمل کہانی سمونے ہوئے ہیں۔ ظلم و بربریت کی کہانی انسانیت کے پستی کی طرف سفر کی کہانی اور یہ منٹو کے ہی فنکارانہ ذہن کا کمال ہے کہ وہ اس قدر اختصار میں بھی پوری داستان قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ انکا افسانچہ "رعایت" ظالم کی بے رحمی اور مظلوم کی بے بسی کی اک مکمل داستان ہے۔



سب سے بڑی کامیابی ہے اس افسانے میں منٹو نے انسان کو گھناؤنے روپ کو بے نقاب کیا ہے۔ کہ جسے دیکھنے کی تاب ہم میں نہیں۔ منٹو نے بڑی سفاکی سے فسادات کا ایک دردناک اور خوفناک پہلو ہمارے سامنے رکھا ہے۔ بقول ڈاکٹر فردوس انور قاضی: "کھول دو دکھ کی ایسی کہانی ہے جو انسان کی انسانیت پر ایک کاری زخم کی حثیت رکھتی ہے۔"<sup>20</sup>

ہر دور میں انسانی وحشت کا نشانہ بننے والی حوا کی بیٹی کو تقسیم ہند کے موقع پر بھی پامال کیا گیا ہے اور غیرت مند مردوں نے بلا تخصیص لاکھوں مسلمان، سکھ اور ہندو عورتوں کو ہر طرح سے وحشت کا نشانہ بنا کر مردانگی کے جشن منائے۔ وہ صنف نازک جس کے وجود سے کائنات میں رنگ تصور کیا جاتا رہا۔ جو شاعری اور فنون لطیفہ کا ایک اہم جزو سمجھی رہی۔ ان حالات میں دہشت، بربریت، اور ہوس کا شکار ہوتے دیکھ انسانیت خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو گئی۔ یہ وہ جنسی گھٹن تھی جس نے انسان کے اندر چھپی ہوئی گھٹن کو آشکار کر دیا۔ وہ گھٹن جو بظاہر ترقی یافتہ کہلانے کے باعث کھل کر سامنے نہ آسکی مگر تاریخ گواہ ہے جب یہ خون کی کھیل رچا گیا تو انسانیت کی تمام حدوں کو پامال کرتے ہوئے ظلم و ستم کا بازار بلا شرکت غیرے سرانجام دیا گیا۔ سعادت حسن منٹو نے اپنے افسانوں میں کھول دو، شریفین، ڈارلنگ، عزت کے لیے، بسم اللہ، محبوس عورتیں، وغیرہ میں ایسی خواتین کے کرب کو اجاگر کیا ہے۔ تقسیم ہند کے دوران ان دونوں فریقین نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کمزور طبقے کو مٹی میں ملانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی افسانہ "محبوس عورتیں" ان ہزاروں بے بس، لاچار اور مجبور عورتوں کا المیہ یہ ہے کہ جن کی زندگیاں سیاست کے اکھاڑے بازی اور مذہب کے جنون کی نظر ہو گئیں۔ یہ ان پچاس ہزار عورتوں کی کہانی ہے۔ جو فسادات کے دوران بے لگام شہوانیت اور مخالفین کی شہزوری کا نشانہ بنیں۔ یہ ان مظلوم عورتوں کی داستان ہے جنہیں بازیابی کے بعد اپنوں نے قبول نہ کیا اور ان بچوں کا المیہ ہے جو کئی بے بس عورتوں نے اپنی مجبور کوکھ سے پیدا کیے۔ افسانے کے اختتام پر منٹو نے ایک سوال اٹھا کر انسانیت اور معاشرے کے دوہرے معیار اور دو غلے پن پر زور دار طمانچہ رسید کیا ہے وہ لکھتا ہے:

"ہم جانور پال سکتے ہیں۔ حیوانوں کو اپنے سینے سے لگا سکتے ہیں کیا ہم ان عورتوں اور ان بچوں کو اپنے گھروں میں جگہ نہیں دے سکتے"<sup>21</sup> اس طرح افسانہ "ٹھنڈا گوشت" بھی فسادات کے پس منظر میں ایک جنسی مسئلہ ہے۔ لیکن باوجود اپنی عریانی کے فنی اعتبار سے ایک مکمل افسانہ ہے۔ منٹو اس افسانے کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ اس افسانے کی وجہ سے جنس نگاری کا الزام لگا کر منٹو پر مقدمہ چلایا گیا۔ امر تاثر پر تیمم اس حوالے سے لکھتی ہیں: "منٹو نے ان لوگوں کو دیکھا جن کی آتماں چکی ہوتی ہے۔ اور وہ زندہ لاشیں جہاں سے بھی گزر جائیں اپنے پیچھے عجیب سٹرائنڈ چھوڑ جاتی ہیں۔ اور منٹو نے جب ان کے ٹھنڈا گوشت کا ذکر کیا گیا تو اپنی ہی سٹرائنڈ سے گھبرانے والوں نے منٹو کو مجرم کہا"<sup>22</sup>

بظاہر وہ بیہودہ اور جنسی گمراہی کی ترغیب دینے والا یہ افسانہ بیاطن انسانیت کے دو غلے پن اس کی دورنگی اور فریب کاریوں کا آئینہ ہے۔ فسادات کے موضوع پر فلکشن کا ذکر سعادت حسن منٹو کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ شاید شروع بھی نہیں ہو سکتا۔ منٹو بلاشبہ ایک ایسے تخلیق کار ہیں جن کے فسادات پر لکھی گئی کہانیاں اپنی تلخی، بے رحم تصویر کشی اور ناقابل تردید سچائی کے سبب انسانی صورت حال کی بہترین عکاس ہیں۔ ان کی کہانیوں میں بلا واسطہ طور پر سیاست پر بھی تبصرہ ہے مگر ان کا طرہ امتیاز ہیجان انگیز حالات اور سفاک واقعات میں گھرے انسان کی نفسیات کی پیشکش ہے۔ افسانہ "سہائے" میں وہ فسادات کے متعلق اپنے آغاز میں لکھتے ہیں: یہ مت کہو ایک لاکھ ہندو اور ایک لاکھ مسلمان مرے ہیں۔۔۔۔۔ یہ کہو کہ دو لاکھ



یہ افسانہ تقسیم کے دو تین سال بعد کے پس منظر میں لکھا گیا اس افسانے میں تقسیم کے بعد دونوں حکومتوں کی لغو پالیسیوں کے نتیجے میں ہونے والے انسانی المیہ کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے پاگلوں کی زبان سے وہ کہلوایا ہے جو ایک صحیح الدماغ شخص کہنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ ان کے افسانے کے پاگل خانے دراصل دونوں ملکوں کا استعارہ ہیں اور ان میں رہنے والے پاگل دونوں ملکوں کے عوام ہیں۔ جنہیں ہجرت کے آلام و مصائب سے گزرنا پڑا۔ فسادات کی پیدا کی ہوئی پریشان کن فضا میں یہ ایک ایسا موضوع ہے جسے بظاہر آسانی سے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ منٹو کے ہم عصروں میں سے کسی نے بھی اس پہلو پر توجہ نہیں دی اگر توجہ دی بھی تو اسے اس انداز سے محسوس نہ کیا کہ ان کے افسانے کا موضوع بن جاتا۔ فسادات اور پاگل بظاہر بڑی بے جوڑ سے بات ہے لیکن منٹو کی یہ خاصیت ہے کہ وہ معمولی بات کو بھی غیر معمولی بنا دیتا ہے۔ یہ کہانی انتشار کے بعد کی ایسی گونج ہے جو اپنی انفرادیت کے ساتھ ساتھ نمایاں طور پر ادب میں سنائی دیتی ہے۔ نگہت ریحانہ لکھتی ہیں:

"منٹو نے بڑے لطیف اشاروں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ اس چار دیواری سے باہر بھی خطرناک پاگلوں کی کمی نہیں۔ جن کی تخریبی ذہنیت اور طاقت نہ صرف زمینوں کے بٹوارے کر دیتی ہے۔ بلکہ شخصیتوں کو بھی دو نیم کر دیتی ہے دلوں کے بٹوارے کر دیتی ہے اور تعلقات میں دراڑیں ڈال دیتی ہے۔"<sup>25</sup>

اسی طرح منٹو کا ایک افسانہ "مز دور" فسادات کے پس منظر میں غربت افلاس اور اس سے پیدا ہونے والے انسانی کرب اور مجبوری کی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔ رام کھلاون، ہر نام کور، ڈارلنگ، عزت کے لیے، وہ لڑکی اور انجام بخیر وغیرہ۔ وہ افسانے ہیں جو اپنے کرداروں کے ذریعے تقسیم کے پس منظر میں انسانی سفاکیت کی روداد بیان کرتے ہیں۔ آخری سلوٹ، ٹیٹ وال کا کتا اور یزید ایسے افسانے ہیں جو تقسیم کے پس منظر میں کشمیر کے تنازعہ پر لکھے گئے۔ منٹو تقسیم اور فسادات کو اپنے لاشعور سے کبھی نہ نکال سکا۔ برصغیر کی تقسیم میں عجلت تھی یا کوئی خلا؟ حیوانیت نے انسانیت کو بے بس کر کے رکھ دیا انسانیت پر جو زخم لگے ان میں بڑا زخم یہ ہے کہ ایک زمین پر صدیوں تک ساتھ رہنے والے باسیوں نے ہی ایک دوسرے کا خون کیا، آبروریزیاں کیں اور مال و اسباب لوٹا۔ مذہب کے نام پر انتہائی بے مذہب لوگوں نے، جن کا مذہب حوس، لالچ، حرص، زمین اور دوسروں کا مال تھا، اپنے جیسے انسانوں پر حیوان بن کر ٹوٹ پڑے۔ منٹو نے ان زخموں کو اپنے دل پر لگا محسوس کیا اور پھر یہ محسوسات موت کی وادی تک اس سے الگ نہ ہو سکے۔ بقول سید وقار عظیم: "منٹو نے اپنے گرد و پیش کی دنیا کے ان گنت پہلوؤں کو دیکھا ہے اور جو کچھ دیکھا ہے اسے ایک اہم فرض کی طرح افسانے کا موضوع بنانے کی کوشش کی ہے۔"<sup>26</sup> بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی: "اس کا احساس اتنا شدید ہے۔ اس کی نظر اتنی گہری اور اس کا تخیل اتنا بلند ہے کہ وہ زندگی کے سمندر سے حقائق کے موتی نکال ہی لاتا ہے۔"<sup>27</sup> ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں: "سعادت حسن منٹو اور اس کے افسانے بلاشبہ اردو ادب میں ایسے آئینے ہیں۔ جن میں ان کے عہد کی تصویر نظر آتی ہے۔"<sup>28</sup>

### حاصل کلام

یوں تو 1947 سے 1955 تک ہجرت و فسادات سے متعلق افسانوں کی بہتات دیکھنے کو ملتی ہے۔ لیکن تقسیم کے موضوع پر لکھے گئے منٹو کے افسانے فنی اعتبار سے اپنے فن کی معراج سے تعبیر کیے جاسکتے ہیں۔ منٹو نے فسادات کے موضوع پر بہت سے افسانے تخلیق کیے۔ منٹو بنیادی طور پر حقیقت نگاری کے دبستان کا نمائندہ افسانہ نگار ہے۔ اس کے بیشتر افسانوں میں زندگی کی وہی تصویر کشی نظر آتی ہے جو اس نے معاشرے میں دیکھی۔ فسادات کے حوالے سے منٹو کے افسانے اس لیے بھی اہم ہیں کہ

ان کا انداز معروضیت لیے ہوئے ہے۔ وہ کسی مذہب کے طرف دار نہیں۔ وہ انسانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے فسادات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس درد کو خود محسوس کیا۔ فسادات کے موضوع پر بہت سادہ تخلیق ہو لیکن سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں فسادات کی جو حقیقی تصویر نظر آتی ہے وہ کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ منٹو کے افسانے موضوعاتی اعتبار سے اپنے عہد کی وہ تصویریں پیش کرتے ہیں جہاں انسان اور انسانیت کی قبائیں تار تار ہو جاتی ہیں۔ منٹو کے افسانوں میں ہمیں فسادات اور تقسیم ہند کا عہد سانس لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تقسیم کے موضوع پر لکھا گیا منٹو کا ہر افسانہ فنی اعتبار سے مکمل شاہکار ہے نیز حقیقت پر مبنی انتہائی چبھتا سوال ہے جس کے جواب کے لیے انسانیت کے گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔

## References

- <sup>1</sup> Hakeem Tariq Mehmood Chughtai, 1947 ky mazalim ki kahani khud mazloumon ki zubani (Lahore: Ilm o Irfan publishers 2003), p30.
- <sup>2</sup> Farmaan Fateh Poori, Urdu ka afsanwi adab (Lahore: Aalmeen publications 1988), p127.
- <sup>3</sup> Nighat Rehana, urdu mukhtasir afsana funi o takneki mtala (Dehli: Dehli Clasical 1986), p169.
- <sup>4</sup> Saadat Hassan Manto, Tamasha, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p23.
- <sup>5</sup> Saadat Hassan Manto, Tamasha, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p24.
- <sup>6</sup> Saadat Hassan Manto, Deewana shayr, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p32.
- <sup>7</sup> Saadat Hassan Manto, Deewana shayr, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p32.
- <sup>8</sup> Saadat Hassan Manto, Deewana shayr, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p32.
- <sup>9</sup> Saadat Hassan Manto, Deewana shayr, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p33.
- <sup>10</sup> Saadat Hassan Manto, Naya qanoon, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p78.
- <sup>11</sup> Saadat Hassan Manto, Deewana shayr, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p34.
- <sup>12</sup> Saadat Hassan Manto, Chori, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p110.
- <sup>13</sup> Waris Alvi, Manto ka fun hayat o mot ki aamezish, mashmola, Manto ki afsana nigari (Lahore: oriental collage laibrary), p, n.
- <sup>14</sup> Saadat Hassan Manto, Naya qanoon, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p79.
- <sup>15</sup> Saadat Hassan Manto, Saat shereen, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p379.
- <sup>16</sup> Saadat Hassan Manto, Alahna, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p379.
- <sup>17</sup> Saadat Hassan Manto, Aram ki zrorat, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p379.

- <sup>18</sup> Saadat Hassan Manto, Reayat, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p377.
- <sup>19</sup> Nighat Rehana, Urdu mukhtasir afsana funi o takneki mtala (Dehli: Dehli Clasical 1986), p180.
- <sup>20</sup> Saadat Hassan Manto, Khol do, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p134.
- <sup>21</sup> Saadat Hassan Manto, Mehboos ortyn, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p776.
- <sup>22</sup> Amrta Pretam, "Seah Lateef" mahnama Harf e Jafer (Faisal Abad: shumara April, May 2007), p18.
- <sup>23</sup> Saadat Hassan Manto, Sahay, Mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p390.
- <sup>24</sup> Saadat Hassan Manto, Tobah tek singh, mashmola, Manto ky so afsany (Lahore: Aslam Asmat printers 2006), p47.
- <sup>25</sup> Nighat Rehana, Urdu mukhtasir afsana funi o takneki mtala (Dehli: Dehli Clasical 1986), p176.
- <sup>26</sup> Waqar Azeem Syed, naya afsana (Ali garrh: Ali garrh University educational book house), p160.
- <sup>27</sup> Doctor Ibadat Brelvi, Afsana or afsany ki tnqeed (Lahore: idara adab tanqeed 1989), p189-190.
- <sup>28</sup> Doctor Saleem Akhter, Afsana or afsana nigar tnqedi mtala (Lahore: Sang Meel publications 1991), p147.